انٹرویو: عرفان احمد

’’میری علمی ومطالعاتی زندگی‘‘

[ڈاکٹر صفدر محمود سے انٹرویو]

گجرات کے ایک چھوٹے سے قصبے ڈنگہ سے میرا تعلق ہے، جو کھاریاں رسول روڈ پر صدیوں سے واقع ہے، سندر داس ایک بہت بڑا بزنس مین تھا اُس نے ڈنگہ میں بہت ہی شاندار بلڈنگ ہائی سکول کے لیے بنوائی تھی، اب یہ ہائر سکینڈری سکول ہے آٹھویں تک میری تعلیم وہاں ہوئی جس تعمیر ملت سکول رحیم یار خان سے میں نے میٹرک کیا وہ سکول بنیادی طور پر جماعت اسلامی کے اراکین کی زیرنگرانی چلتا تھا، اس سکول میں فکری نشو ونما اور کردار سازی پر بڑی توجہ دی جاتی تھی۔ امتحان سے زیادہ کردار سازی پر توجہ ہوتی تھی فکری نشو ونما پر زیادہ زور تھا اُس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور بی اے آنرز کیا اور پھر ایم اے کیا اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں ہی لیکچرار کی حیثیت سے تقرر ہوا جہاں سے میں نے (1967) میں CSS کا امتحان پاس کیا اور سول سروس میں چلا گیا۔

میں بچپن ہی سے Creative تھا ایک ایسا لڑکا جو تصورات اور تخیل کی دنیا میں رہتا ہو مجھے یاد ہے جب میں بہت چھوٹا بھی تھا تو عام طور پر تخیل میں گم سا رہتا تھا جہاں تک مجھے یاد ہے میں چھٹی کلاس میں تھا میرے پاس کوئٹہ سے ایک ماہانہ رسالہ ’’زمانہ‘‘ آیا کرتا تھا مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے میری پہلی کہانی اس رسالے میں چھپی تھی پھر جب میں نویں، دسویں میں تھا اور میں رحیم یار خان میں پڑھتا تھا تو لاہور سے نکلنے والے رسالہ ’’بچوں کی دنیا‘‘ میں میری چھوٹی موٹی کہانیاں کبھی کبھار چھپتی تھیں جس کی تصیح میرے استاد انیس احمد اعظمی صاحب کیا کرتے تھے میں اپنے اُستاد کو اپنی ہر تحریر دکھاتا تھا۔ انیس صاحب میری حوصلہ افزائی کرتے اور اس کو ٹھیک کر دیتے تھے اُس کے بعد گورنمنٹ کالج کے زمانے میں بھی مسلسل لکھتا رہا۔ ہمارے زمانے میں گورنمنٹ کالج کے میگزین راوی کا شمار اچھے پرچوں میں ہوتا تھا اور راوی سال میں تین دفعہ چھپا کرتا تھا اس طرح آپ اسے ایک طرح کا سہ ماہی رسالہ بھی کہہ سکتے ہیں جتنا عرصہ میں گورنمنٹ کالج میں رہا شاید ہی کوئی ایسا راوی ہو جس میں میرا کوئی مضمون یا افسانہ نہ چھپا ہو۔ انہی دنوں میں نے اخبارات اور رسائل میں تقریریں لکھنا شروع کیا، روزنامہ مشرق، نوائے وقت ہفت روزہ قندیل اور اقدام میں بھی عام طور پر لکھا کرتا تھا اور نیم ادبی رسالوں کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی کے میگزین میں بھی میرے افسانے چھپتے رہتے تھے اسی دور میں

میری ایک کہانی خوشتر گرامی کے رسالے بیسویں صدی میں چھپی جس کا ادبی حلقوں میں خاصا ذکر رہا۔ بیسویں صدی معیاری اور مقبول رسالہ تھا چنانچہ مجھے بہت سے خطوط موصول ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں ہر سال کانوکیشن کے موقع پر بہترین لکھاری کا ایوارڈ دیا جاتا ہے میں بی اے آنرز کا طالب علم تھا جب 1963 میں مجھے بہترین لکھاری (اردو) اور طارق علی خان کو بہتری لکھاری (انگریزی) کے ایوارڈ ملے۔ بہترین لکھاری کا ایوارڈ کالج کا بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں طالب علم تھا تو میں نے نیو ہوسٹل سے ایک رسالے کا آغاز کیا جس کا نام ''پطرس'' ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ رسالہ ابھی تک شائع ہو رہا ہے اور اس میں میرا نام پہلے ایڈیٹر کی حیثیت سے شامل ہوتا ہے۔ گویا گورنمنٹ کالج لاہور کے دور میں ہی میں لکھنے پڑھنے میں خاصا مصروف ہوگیا۔ ریڈیو کے پروگراموں میں شرکت کرنے، یونی ورسٹی اور کالج میگزین اور اخبارات کی وجہ سے لاہور کے اخباری حلقوں میں میرا نام طالب علمی کے زمانے میں ہی مانوس ہوگیا تھا۔

دراصل کچھ لکھنے پڑھنے کی صلاحیت قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے اور اگر اچھا ماحول اور مناسب اساتذہ مل جائیں تو وہ اس صلاحیت کی نشوونما کر کے پروان چڑھا دیتے ہیں اور آپ کی تربیت کر کے آپ کی تخلیقی صلاحیتوں کو مزید اجاگر کر دیتے ہیں۔ میرے کردار پہ کسی حد تک اثر میرے رحیم یار خاں کے سکول کے ایک استاد کا ہے جن کا نام انیس احمد اعظمی ہے یہ اعظم گڑھ (یوپی) کے رہنے والے تھے۔ جماعت اسلامی سے متاثر تھے اور جماعت پر تنقید بھی کرتے تھے میرے زمانے میں وہ تعمیر ملت سکول رحیم یار خان میں میرے استاد تھے وہ مجھے کتابیں دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ پڑھ کے مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا پڑھا ہے، اس طرح بچپن سے ہی انہوں نے میرے اندر تاریخ کا شوق پیدا کیا اور پھر یہ شوق زندگی بھر کے لیے میرا یہ ذوق بن گیا اور میرے مزاج کا حصہ بن گیا اُن کے نام سے میں نے ایک اپنی کتاب بھی منسوب کی ہے جس کا نام ہے ''پاکستان تاریخ و سیاست'' اُس کے بعد جب میں گورنمنٹ کالج لاہور پہنچا تو پروفیسر مرزا محمد منور صاحب نے مجھ پر خاصی توجہ دی۔ اقبالیات اور تحریک پاکستان کے بارے میں میرے اندر ذوق وشوق پیدا کیا اور پھر زندگی کے آخری دنوں تک میرا اُن سے قلبی و ذہنی تعلق رہا جو میری زندگی کا بیش بہا اثاثہ ہے ان کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کو میں زندگی کے قیمتی لمحات سمجھتا ہوں۔ مرزا محمد منور بہت پڑھے لکھے اور درویش صفت کے انسان تھے عالم فاضل، عاشق رسولؐ، عاشق اقبال، عاشق قائداعظم تحریک پاکستان سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ اُنہوں نے مجھ پر توجہ بھی دی اور خاص طور پر قائداعظم، اور تحریک پاکستان سے محبت کا ایک رشتہ قائم کر دیا۔ محبت اور شوق کا یہ رشتہ قائم کرنے میں اُن کا بنیادی کردار تھا۔ سکول اور کالج کی سطح پر جن استادوں نے مجھ پر توجہ دی میں اُن کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا بعدازاں ان اساتذہ سے میرا تعلق دوستی کے رشتے میں ڈھل گیا۔ دوستی کا یہ رشتہ آج تک قائم ہے۔

طالب علمی کے زمانے میں ایک Rolling Stone کی مانند تھا لیکن آج واپس مڑ کر دیکھتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ بعض اوقات کچھ لوگ ہوتے ہیں جو کسی شعبہ یا مضمون سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور یہ صرف اسی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ کم از کم ایم اے تک میری یہ کیفیت نہیں تھی جو بھی کتاب ملی وہ پڑھ لی مثلاً میرے اُستاد جن کا میں نے ابھی ذکر

کیا انیس احمد اعظمی صاحب انہوں نے مجھے 9th اور 10th میں جو کتابیں دیں اُن میں سب سے پہلی کتاب مولانا ابوالکلام کی غبارِ خاطر تھی اور مجھے آج تک یاد ہے کہ وہ کتاب میں نے ایک رات میں پڑھ ڈالی تھی شام کو بستر پہ لیٹ کر شروع کی اور ختم کر کے اٹھا، اور اگلے دن اُن کو جا کر واپس کر دی اس کتاب میں سے پڑھے ہوئے اشعار مجھے اب بھی یاد ہیں۔ پھر میں نے افسانے بے پناہ پڑھے نقوش کے کئی افسانہ نمبر آئے جنہیں میں شوق سے پڑھتا رہا۔ راجندر سنگھ بیدی سے لے کر منٹو، کرشن چند، قرۃ العین، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، احمد ندیم قاسمی، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، ممتاز مفتی، شہاب سبھی کو اس دور میں پڑھا۔ بعد ازاں منشا یاد کے افسانوں سے متاثر ہوا اور صادق حسین، انتظار حسین کو شوق سے پڑھا۔ جدید شعراء میں فیض سے اسرار الحق مجاز، ساحر لدھیانوی، احمد ندیم قاسمی تک میں نے تقریباً سبھی شعرا کو پڑھا اور اُس زمانے تک جتنے دیوان فیض صاحب کے چھپ چکے تھے۔ تقریباً تین چار مجھے زبانی یاد تھے۔ کلامِ اقبال کا مجھے بے حد شوق تھا، میں ہوسٹل میں کمرہ بند کر کے کلامِ اقبال کو اونچی آواز سے اور ذوق وشوق سے پڑھا کرتا تھا مطلب یہ کہ مطالعے کی حد تک شاعری بھی ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ ایم اے کرنے کے بعد جا کر مجھ پر وہ اسٹیج آئی کہ میں نے تحریک پاکستان اور تاریخ پاکستان کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنا لیا۔ Rolling stone ہونے کی وجہ سے مجھے ایک فائدہ یہ ہوا کہ اگرچہ میں ساری زندگی باقاعدہ اردو ادب کا طالب علم نہیں رہا لیکن مجھے اردو لٹریچر سے تھوڑی سی شناسائی حاصل ہوگئی۔ اقبالیات کو بھی پڑھا دنیا جہان کی جو چیزیں مجھے ملتی گئیں میں پڑھتا گیا۔ جب میری اپنی اولاد جوان ہوئی اور میں یونیورسٹی اور کالجوں میں جاتا رہا قائداعظم یونی ورسٹی میں وزٹنگ پروفیسر رہا اور پھر ایک یونیورسٹی کا وائس چانسلر بھی رہا اس طرح میرا طالب علموں سے گہرا رابطہ رہا تو پتا چلا کہ آج کے طلبہ اپنے Subject کے علاوہ دنیا کی کوئی اور بات جانتے ہی نہیں تب مجھے محسوس ہوا ہمارے استادوں کی پالیسی ٹھیک تھی کہ ان کی بنیاد وسیع کرو۔ مثلاً میں نے قرآن حکیم کی تفسیر پڑھیں، سیرت النبیؐ پر چند ایک کتابیں پڑھیں مجھے یاد ہے کہ میٹرک کا امتحان دینے کے بعد ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن خاص طور پر پوری پڑھ ڈالی شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی سے ہوتے ہوئے جتنے حضرات کی کتب سیرت النبیؐ پر مل سکیں میں نے پڑھیں ہمارے دور میں طلبہ کا مطالعہ Broad base ہوتا تھا وہ صرف ایک مضمون ایک شعبہ تک محدود نہیں رہتے تھے بلکہ ہمہ جہتی اور متنوع موضوعات کا تھوڑا تھوڑا علم سبھی کے پاس ہوتا تھا علمی زندگی اور تحقیق کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد میں نے خاص طور پر اپنے لیے جو مضمون چنا وہ پاکستانیات ہے۔

پاکستانیات کو جب آپ چنتے ہیں تو ظاہر ہے آپ کو تحریک پاکستان بھی پڑھنی پڑتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قائداعظم اور اقبال کو بھی اُس حوالے سے پڑھنا پڑھتا ہے اور پاکستان کی تاریخ و سیاست اُس کو میں نے خاص طور پر تحریر اور مطالعہ کا موضوع بنایا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے 1964ء میں ایم اے کا امتحان دیا 1965ء میں ہمارا رزلٹ نکلا اور اُسی سال میں گورنمنٹ کالج لاہور میں لیکچرر ہوگیا اور 1965ء میں روزنامہ نوائے وقت لاہور میں جو اُس وقت مغربی پاکستان کا سب سے بڑا اخبار ہوا کرتا تھا انہوں نے بدھ کے دن پورا آدھا Editorial page میرے لیے مخصوص کیا ہوا تھا اور میں اس اخبار میں گاہے گاہے بازخواں کے نام سے تاریخ پاکستان کے مختلف پہلوؤں پر لکھا کرتا تھا میری عمر اُس وقت 22، 23 برس تھی۔ اُس کے بعد میں نے پاکستانیات کو اپنا ایک مستقل موضوع بنا لیا اور اُس

کو موضوع بنانے میں بھی ایک واقعہ کا خاص عمل دخل ہے ایم اے میں میرا Thesis تھا مسلم لیگ کا دورِ حکومت 1947ء سے لے کر 1954ء تک بعد ازاں میں نے اس پر مزید محنت کی انڈیا آفس لائبریری میں بیٹھا واشنگٹن کے خفیہ پیپرز دیکھے، دنیا جہاں کا مواد کھنگال لینے کے بعد اس کی پوری شکل ہی بدل گئی۔ اس کتاب میں زیادہ مواد طالب علمی کے دور کے بعد کا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں تحقیق کے لیے کوئی سہولت نہیں ہے۔ ہم اب بھی اُس لحاظ سے 1965 کے دور میں ہیں، میں ایک دفعہ انڈیا آفس لائبریری میں بیٹھا تھا تو میں نے ایک اسسٹنٹ سے کہا کہ میں نے London Times اخبار کا مطالعہ کرنا ہے 1947ء سے لے کر 1954ء تک میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ پاکستانی سیاست کے بارے میں لندن ٹائمز میں کیا خبریں، تبصرے اور تجزیے چھپے۔ لائبریرین نے مجھے کہا کہ its very simple۔ یہ انڈیکس پڑا ہوا ہے۔ انڈیکس کھولیں کتابوں کی صورت میں لندن ٹائمز کا انڈیکس انہوں نے چھاپا ہوا ہے ہر سال کا انڈیکس نکالو۔ اُس میں پاکستان نکالو اُس میں Politics نکالو اور صفحہ نوٹ کر لو۔ اخبار کا ریکارڈ مائیکروفلم پر موجود ہے جو پڑھنا چاہتے ہو پڑھ لو۔ اس طرح وہ کام میں نے تقریباً سات دن میں مکمل کر لیا جبکہ پاکستان میں جب میں نے اخبارات دیکھنا شروع کئے تو پاکستان ٹائمز سول ملٹری گزٹ نوائے وقت، ڈھاکہ ٹائمز اور ڈان کی فائلیں پڑھنے میں کئی برس لگ گئے۔ ان اخبارات کا ایک ایک صفحہ مجھے پڑھنا پڑتا تھا اور اُس میں جو مجھے میرے کام کا مواد ہوتا تھا وہ ہاتھ سے کاپی پر نوٹ کرتا تھا اور اُس کے نتیجے میں اتنا مواد اکٹھا ہوا کہ ہمارے گھر میں رضائیوں والا صندوق میری کاپیوں اور رجسٹروں سے بھر گیا پاکستان میں Research کرنا گدھوں والا کام ہے آپ کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ آپ کام کیسے کریں گے اکانومسٹ لندن کا جو بڑا معتبر رسالہ ہے میں نے ایک دن میں سات سال کی فائل پڑھ لی۔ ریسرچ کے دوران میں پاکستان ٹائمز کی لائبریری میں زرد بلب کے نیچے بیٹھ کر مٹی سے بھرے ہوئے اخبارات کا ایک ایک صفحہ اپنی انگلی سے الٹ کر پڑھتا تھا۔ پرانے اخبارات کی مٹی اور بو میری سانسوں کا حصہ بن جاتی تھی۔ وہاں میں نے گلے کی خرابی کا مستقل روگ پالا۔

میں نے پاکستانیات کو اپنا اوڑھنا بچھونا اس لیے بنایا کہ پاکستان کی محبت میرے رگ و پے میں موجود تھی۔ جس زمانے میں میں تحقیق کے لیے پاکستان ٹائمز کی لائبریری میں کام کر رہا تھا اُسی زمانے میں آکسفورڈ کا ایک طالب علم وہاں آیا ہوا تھا جو Political parties of pakistan کے عنوان پر Thesis لکھ رہا تھا۔ لائبریری میں صرف دو ہی تحقیق کرنے والے ہوتے تھے۔ ہماری آپس میں گپ شپ دوستی شروع ہوئی پھر میں اُسے کھانے پہ لے گیا، بے تکلفی ہوگئی وہ آدمی آکسفورڈ سے ڈاکٹریٹ کر رہا تھا اور یونی ورسٹی والوں نے Material اکٹھا کرنے کے لیے اُسے پاکستان بھیجا تھا۔ اس پر وہ بڑا Extensive کام کر رہا تھا ایک دن اُس نے باتوں باتوں میں مجھ سے پوچھا کہ کیا تم مجھے کوئی پاکستان میں ایک ایسی کتاب Suggest کر سکتے ہو جسے پڑھ کر میں پاکستان کے تمام پہلوؤں سے آشنا ہو جاؤں تو میں بغلیں جھانکنے لگا۔ اُس کے بعد مجھے بڑی شرم آئی کہ پاکستان بنے ہوئے 17 برس گزر چکے ہیں ہم نے کوئی کام ہی نہیں کیا تو پھر میں نے فیصلہ کیا کہ میں صرف پاکستان پر کام کروں گا اس طرح میں کام میں لگا رہا اور آج جو آٹھ، دس کتابیں ہیں وہ پاکستان کے مختلف پہلوؤں پر ہیں تحریک پاکستان کا مطالعہ، قائداعظم اور علامہ اقبال

کا مطالعہ اُس پس منظر کو سمجھنے کے لیے ضروری تھا چنانچہ میں نے اپنی حد تک ان موضوعات کو سمجھنے کی کوشش کی لیکن میرا مرکز ومحور مطالعہ پاکستان ہی رہا۔

میں گزشتہ کئی سالوں سے کوئی تحقیقی کتاب نہیں لکھ سکا میری زندگی کا تجربہ یہ بتاتا ہے اور میرے استاد منور صاحب یہی کہا کرتے تھے کہ جس وقت جو تمہارا جی چاہ رہا ہے۔ وہ لکھو، اگر افسانہ لکھنے پر طبیعت مائل ہو تو افسانہ لکھو شعر کہنا چاہتے ہو تو شعر لکھو، طنز ومزاح لکھنے کو جی چاہتا ہے تو وہ لکھو، بہرحال وہ ایک طرح سے میری تربیت کرتے رہے اب کچھ عرصے سے میں اپنے آپ میں ہمت نہیں کر پاتا اور نہ ہی طبیعت راغب ہوتی ہے کہ میں جم کر بیٹھ کر تحقیق کروں یا کوئی مستقل ریسرچ کروں جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ میری آخری تحقیقی کتاب 1980ء میں آئی اور اس کے کوئی 8 دس سال کے وقفے کے بعد میری کتاب ...... Pakistan Political Roots and Deue منظر عام پر آئی یہ کتاب آکسفورڈ نے شائع کی ہے۔ اور تقریباً پوری دنیا میں پھیل گئی ہے میں دنیا کی جس بھی لائبریری میں جاتا ہوں وہاں اپنی کتابیں دیکھ کر مجھے اس بات کی خوشی ہوتی ہے مثلاً امریکہ کی میں تقریباً سب بڑی یونیورسٹیوں میں گیا ہوں کولمبیا۔ برکلے میں نے امریکہ کی ہر یونیورسٹی لائبریری میں اپنی کتابیں دیکھی ہیں اُن کے پاس کئی ایسی کتابیں بھی ہیں جن کی کاپی میرے پاس بھی نہیں ہے۔ میں برکلے یونی ورسٹی میں گیا تو اُن کا ایک طریقہ ہوتا ہے Welcome کرنے کا وہاں ایک پروفیسر Steven Poulis ہے جو ساؤتھ ایشین ڈیپارٹمنٹ کا وائس چیئرمین ہے۔ اُس کے ساتھ ایک آدھ دن گپ شپ رہی اگلے دن اُس نے کہا کہ ہماری گریجوایٹ کلاسز کو تین چار لیکچرز دو پھر ایک دن اُس نے کہا کہ آؤ میں آپ کو لائبریری دکھاؤں وہ مجھے برکلے یورنیورسٹی کی سنٹرل لائبریری میں لے گیا۔ برکلے یونیورسٹی دنیا میں عالمی سطح کی ایک یونیورسٹی مانی جاتی ہے اُس نے لائبریرین سے میرا تعارف کرایا کہ یہ ڈاکٹر صفدر محمود ہیں پاکستان سے آئے ہیں تو انہوں نے کہا Just wait اُس نے کمپیوٹر میں میرا نام انٹر کیا تو میری کتابوں کی لسٹ نکل آئی جو انہوں نے مجھے دے دی میرا بیٹا آسٹن میں پڑھتا تھا تو وہ کہتا ہے کہ ایک دن مجھے پاکستان پر ریسرچ کرنی تھی ریسرچ کرتے کرتے کہیں آپ کا نام سامنے آ گیا۔ کلک کیا تو آپ کی سب کتابیں میری لائبریری میں موجود تھیں مطلب یہ کہ میں جہاں بھی گیا مجھے میری کتابیں اُن لائبریریوں میں موجود ملیں یہی صورت میں نے جاپان میں بھی دیکھی لیکن اس کے بعد میں کالم نگاری کے چکر میں ایسا پھنسا کہ کتاب لکھنے کے لیے وقت ہی نہیں رہا۔

میں بڑی دیر تک سوچتا رہا کہ وہ کون سی ایسی کتاب ہوسکتی ہے جس نے مجھے بہت متاثر کیا ہو سچی بات تو یہ ہے کہ بہت سی کتابیں متاثر بھی کرتی رہیں کچھ کتابیں اپنی گہری تحقیق کی وجہ سے یا کچھ کتابیں اپنے جذبوں اور اسلوب کی وجہ سے کچھ کتابیں اپنے مشاہدات، فکر اور تاریخی حقائق کی وجہ سے بھی متاثر کرتی رہیں۔ سیکھتا بھی رہا لیکن اگر آپ مجھے یہ کہیں کہ کوئی ایسی کتاب کا نام بتائیں جس نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہو جس نے میرے ذہن پر مستقل اثرات چھوڑے ہوں وہ یاد نہیں پڑتی۔ میں علامہ اقبال سے بے حد متاثر ہوں تھوڑا بہت مولانا مودودیؒ صاحب کو بھی پڑھا ہے۔ تحریک پاکستان اور قائداعظم پر اب تک جتنی اچھی کتابیں اندرون بیرون ملک چھپی ہیں تقریباً سبھی کو میں نے پڑھا اور کچھ میں جھانکا لیکن ایسی کوئی کتاب جس نے مجھے جھٹکا دیا ہو یاد نہیں پڑتی۔

ابتدا میں مجھے ابوالکلام آزاد کو استاد نے پڑھایا تو ظاہر ہے کہ ابوالکلام آزاد نے سکول کی عمر میں مجھے بہت متاثر کیا۔ میٹرک کا امتحان دے کر چھٹیوں میں نسیم حجازی، پریم چند، منٹو اور دوسرے افسانہ نگاروں کو خوب پڑھا۔ ساتھ ہی ساتھ اقبال کی سوانح عمری پر اور سیرت النبیؐ پر بھی کتابیں پڑھتا رہا۔

میں ابتدا میں تو افسانے کا قاری تھا۔ یہ ایک لمبی فہرست ہے مثلاً قرۃ العین حیدر، راجندر سنگھ بیدی، پریم چند کو میں نے میٹرک کے بعد پڑھا اس طرح منٹو، حاجرہ مسرور اور خدیجہ مستور، احمد ندیم قاسمی کو کالج کے دور میں توجہ سے پڑھا۔ عصمت چغتائی کو بھی پڑھا لیکن ان افسانہ نگاروں میں مجھے جس شخص نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ سعادت حسن منٹو تھا۔ لیکن ایک ایک افسانہ مجھے شاید سب کا ہی یاد ہوگا۔ مثلاً کرشن چند کا تائی اسیری، بیدی کا ایک طویل ''اک چادر میلی سی'' مجھے آج تک یاد ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا ایک افسانہ ''سناٹا'' اچھا لگا اشفاق احمد کا ''گڈریا'' متاثر کر گیا لیکن اس دور میں جس افسانے نے متاثر کیا وہ تھا ''اکھیاں میٹ کے سینا تکیا'' میں یوں کہہ سکتا ہوں کہ جتنے افسانہ نگار قیام پاکستان سے لے کر 1970ء تک نمایاں ہوئے میں نے تقریباً ان سب کو پڑھا لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے سب کے افسانے پڑھے۔

شاعری میں اقبال نے فکری لحاظ سے بہت گہرا اثر ڈالا اور جدید شعرا میں فیض احمد فیض مجھے بہت پسند ہیں۔ اسرار الحق مجاز بہت پسند تھا، قاسمی صاحب کی شاعری کو بھی پڑھا۔ قتیل شفائی اور ساحر لدھیانوی کو بھی میں نے پڑھا اور خوب پڑھا نوجوانی میں ایک اسٹیج آتی ہے جب آپ کو ساحر لدھیانوی بہت پسند ہوتا ہے ''تلخیاں'' ہم بڑے ذوق شوق سے پڑھا کرتے تھے لیکن جو شاعر میرے ساتھ ساری زندگی رہے وہ اقبال اور فیض ہیں اور جب سیاست کے حوالے سے پڑھتا ہوں تو حبیب جالب بھی یاد آتا ہے۔

علاقائی زبانوں میں میں نے پنجابی میں صوفیانہ کلام پڑھا۔ میاں محمد بخشؒ سلطان باہو، بابا فرید اور بلھے شاہ شوق سے مطالعہ کیا اور ان سے خاصا متاثر بھی ہوا ان صوفی شعراء کا بھی میرے مزاج پر گہرا اثر ہے بابا فرید اور سلطان باہو خاص طور پر۔ محسوس کرتا ہوں کہ میرے لاشعور میں بلھے شاہ کے کلام کا بھی اثر ہے میرے اندر روشنی کی ایک کرن پیدا کرنے یا بعد از زندگی کو سمجھنے میں اور عشق مجازی یا عشق حقیقی کو سمجھنے میں ان کا بہت اہم کردار ہے۔ افسانوی ادب میں متاثر کرنے والا اشفاق احمد کا افسانہ گڈریا ہے جسے میں کبھی نہیں بھول سکا اُس میں ایک کردار تھا داؤ جی۔ اُس نے مجھے بہت متاثر کیا یہ اُن افسانوں میں سے ہے جنہوں نے میرے ذہن پر ٹیچر کی Dedication کے حوالے سے نقوش مرتب کیے۔ استاد کی Commitment کیا ہونی چاہیے اس افسانے کو پڑھ کر سمجھ آتی ہے۔

گورنمنٹ کالج لاہور کے رسالے ''راوی'' کے صد سالہ اور ایک سو پچیس سالہ انتخابات کتابی صورت میں چھپ چکے ہیں۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ طنز و مزاح کے انتخاب میں بھی میرا مضمون شامل ہے اور افسانوں کے انتخاب میں بھی میرا افسانہ شامل ہے۔ صد سالہ اور ایک سو پچیس سالہ انتخاب میں شامل ہونا ایک اعزاز ہے۔

طنز و مزاح میں مشتاق احمد یوسفی کو پڑھا۔ یلدرم کا ایک مضمون مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ بہت اچھا لگا پھر اُس کے بعد کرنل محمد خان کی جنگ آمد بجنگ آمد بہت اچھی لگتی ہے۔ مشتاق یوسفی کی پہلی دو کتابیں چراغ تلے اور خاکم

بدہن مجھے بہت اچھی لگیں ،شوکت تھانوی کالم نگاری کی حد تک ٹھیک تھے لیکن پطرس تو سرتاپا فطری مزاح ہے جو مجھے بے حد پسند ہے۔ پطرس کا مزاح کبھی باسی نہیں ہوتا۔ شفیق الرحمان صاحب کو بھی میں نے پڑھا کرنل محمد خان اور ضمیر جعفری کے تو میں طویل عرصے تک ساتھ بھی رہا کسی زمانے میں کرنل محمد خان، ضمیر جعفری اور میں نے مل کر راولپنڈی سے طنز ومزاح کا ایک بہت معیاری سہ ماہی رسالہ ''اردو پنچ'' نکالتے تھے ''اردو پنچ'' میں اعلیٰ معیار کے مزاحیہ مضامین شامل ہوا کرتے تھے کرنل محمد خان اپنے ذاتی تعلق کی بنیاد پر شفیق الرحمٰن سے اور مشتاق یوسفی سے اور باقی دوستوں سے بھی مضامین لینے میں کامیاب ہوجایا کرتے تھے طویل عرصے تک کرنل محمد خان ضمیر جعفری صفدر مسعود سلطان رشک اُس کے ایڈیٹر رہے یہ رسالہ کئی برس تک چھپتا رہا۔ اُس زمانے میں اس کی دھوم تھی۔ شاعروں میں انور مسعود صاحب ہیں انعام الحق جاوید ہیں جو طنزیہ مزاحیہ شاعری کرتے ہیں مجھے پسند ہیں ضمیر جعفری صاحب کے بعض قطعات اور رباعیات زبان زد عام ہیں مجھے یاد بھی ہیں اور میں نے انہیں جعفری صاحب کی زبان سے سنا بھی ہے۔

کوئی ایک نہیں جس کا بہت اثر ہوا ہو میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہر لکھاری اپنے اپنے انداز کے مطابق کچھ نہ کچھ اثرات چھوڑتا چلا گیا۔

موجودہ کالم نگاروں میں مجھے جاوید چودھری، عطاالحق قاسمی اور عبدالقادر حسن پسند ہیں باقی کالم نگاروں کے کالموں میں بھی روزانہ جھانکتا ہوں کہ یہ ایک مجبوری ہے عطاالحق قاسمی جب سیاست پر لکھتے ہیں تو وہ مجھے اپیل نہیں کرتا۔ مجھے ان کا ادبی اور مزاحیہ کالم پسند آتا ہے۔ جب کہ جاوید چودھری کے کالم مجھے عام طور پر اچھے لگتے ہیں۔ اخبارات میں تقریباً سارے ہی دیکھتا ہوں اور پھر انتخاب کرتا ہوں کہ ان میں کن مضامین کو پڑھنا ہے۔

دوران سفر بڑے لفظ کے پرنٹ والی کوئی ادبی کتاب اپنے ساتھ رکھتا ہوں تاکہ عینک نہ لگانی پڑے،فلسفہ،ادب مذہبی کتاب زیادہ پسند آتی ہے زندگی میں کبھی کتاب کے بغیر میں نے سفر نہیں کیا یہ الگ بات کہ بعض اوقات کتاب ساتھ تو رہی پڑھی نہ جاسکی۔

زمانہ طالب علمی میں حافظہ کی صورت یوں تھی کہ شعر پاس سے بھی گزرتا تو مجھے یاد ہوجاتا تھا اب صورت یہ ہے کہ بعض شعر جو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں یاد نہیں رہتے۔ منیر نیازی، ناصر کاظمی کو میں بہت بڑا شاعر سمجھتا ہوں اب تک مجھے جتنے بھی شعر یاد ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جو جوانی تک میں نے پڑھے تھے، اب تو بعض اوقات کسی شعر کو لکھتے وقت تسلی کے لیے دیوان دیکھنا پڑتا ہے۔ جب سے میرا رجحان پاکستانیات کی طرف ہوا ہے اور یہ میرے قلب وذہن کا حصہ بنا ہے۔ پاکستان کے بارے میں اکثر حوالے اور تاریخیں تقریباً 90 فی صد یاد ہیں، چنانچہ اب شعر وشاعری اور ادب پیچھے رہ گئے ہیں اور صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ مجھے اپنے حافظہ سے یہ شکایت رہتی ہے کہ بہت سی چیزیں یاد نہیں رہتیں۔

جوانی کے دور میں حفیظ جالندھری، پروفیسر منور، شورش کاشمیری، حمید جالندھری، مجیب الرحمٰن شامی، فتح محمد ملک، منور حسین یاد، صادق حسین، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر وحید قریشی، قیوم نظیر، اکرام رانا، محمد طفیل نقوش، ضمیر جعفری سے محفلیں رہتی تھیں لیکن وقت نے ان محفلوں کو ویران کردیا۔

مطالعہ کے دوران نوٹس لینے کی عادت نہیں تھی۔ اب کچھ عرصے سے مجھے یہ شکایت شروع ہوئی ہے کہ میرا حافظہ

میرا ساتھ نہیں دیتا چنانچہ پچھلے سات آٹھ سال سے جو کتاب پڑھ رہا ہوتا ہوں اُس کے آخری Blank page پر میں اپنا انڈیکس بنانا شروع کر دیتا ہوں میں قلم سے لکھنا شروع کر دیتا ہوں کہ فلاں صفحے پر یہ بات تحریر ہے یہ انڈکس سوالوں کے کام آتا ہے۔

ذاتی لائبریری میں کتابوں کی تعداد کبھی گنی نہیں ہے۔تقریباً 3 چار سو کتابیں تو ایک لائبریری کو Donate کر چکا ہوں جن کے بارے میں میرا خیال تھا کہ اب ان کے حوالوں کی ضرورت نہیں رہی اور اب جو میرے پاس کتابیں ہیں یہ وہ کتابیں ہیں جو میرے مرنے کے بعد میری اولاد کسی لائبریری کو Donate کر دے گی یا ردی میں بیچے گی لیکن نہیں میں اپنی لائبریری کو صدقہ جاریہ کے طور پر کسی لائبریری کے حوالے کروں گا تا کہ طلبہ اور ریسرچ سکالرز اس سے استفادہ کر سکیں۔

میرے بچے بچپن سے ہی میرے مطالعے میں شریک رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ میرے بچے چار میں سے تین ایسے ہیں جو ملکی معاملات میں بڑی گہری دل چسپی رکھتے ہیں چوتھا بچہ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں گم ہو چکا ہے۔ بچپن سے ان کے ساتھ میں باتیں Share کرتا رہا ہوں ان کو واقعات سناتا رہا ہوں اور ان کے ذہنوں میں پاکستانیات کے نئے مستقل جگہ بناتا رہا ہوں۔ اُن میں ایک بیٹا تو اتنا involve ہے کہ امریکہ میں رہنے کے باوجود بھی چاہتا ہے کہ پاکستانی سیاست میں کسی انقلابی پارٹی کو جوائن کرے۔ گزشتہ دنوں وہ تحریک انصاف کا سرگرم رکن تھا جو پیچھے ہٹ گیا۔

میرا تجربہ یہ ہے کہ کتاب بڑی مہربان شے ہوتی ہے اس کو جو بھی اغوا کر کے لے جائے یہ احتجاج نہیں کرتی یہ ایک دفعہ لائبریری سے نکل جائے تو عام طور پر واپس نہیں آتی میری کتابیں جو لوگوں نے مستعار لیں وہ کبھی واپس نہیں کیں اور بعض دوست ایسے بھی ہیں جو وقتاً فوقتاً مجھے کہتے رہتے ہیں کہ تمہاری فلاں کتاب میں نے واپس کرنی ہے لیکن میرے بعض ایسے دوست بھی ہیں جن سے بعض اوقات میں نے کتاب لی اور اگر وہ کتاب میرے مضمون سے متعلق ہو تو میں کہہ دیتا ہوں کہ یہ تمہیں واپس نہیں ملے گی۔

مجھے تحریک پاکستان، قائداعظم، اقبالیات اور پاکستان کی تاریخ وسیاست پر کتابوں کی تلاش رہتی ہے۔ اُس میں بعض اوقات مجھے دقت اس لیے نہیں ہوتی کہ یہ ایسے موضوعات ہیں جن پر کتابیں پاکستانی مارکیٹ میں مل جاتی ہیں ورنہ امریکہ یا برطانیہ میں کسی دوست سے منگوا لیتا ہوں۔ تحریک پاکستان کے جذبے سے میری وابستگی کا یہ عالم ہے کہ میں جب حکومت پنجاب میں سیکرٹری اطلاعات وثقافت (1986-89) تھا تو میں نے پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ تحریک پاکستان کے مجاہدوں، کارکنوں اور قائداعظم کے سپاہیوں کی عزت افزائی اور پہچان کے لیے انہیں طلائی تمغے دینے اور ان کی دیکھ بھال کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ سلسلہ میں نے میاں نواز شریف کی سرپرستی میں 1987 میں شروع کیا جس سے ملک بھر میں جوش وخروش پیدا ہوا۔ 1990 میں جناب غلام حیدر وائیں وزیر اعلیٰ بنے تو اسے ٹرسٹ کی حیثیت سے رجسٹر کروایا گیا اور وائیں صاحب نے اس ٹرسٹ کے لیے نہ ہی صرف عمارت تعمیر کروائی بلکہ فنڈز بھی دیئے۔ شکر الحمدللہ کہ سرکاری ملازمت کے دوران رزق حلال کھایا، اصولوں کی پاسداری کی اور حاکموں کی خوشامد سے دور رہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ذہن پر کسی زیادتی کا بوجھ نہیں اور سکون کی نیند سوتا ہوں۔ عمر بھر قومی وملکی خدمت کو اولین ترجیح بنائے رکھا۔

نامور لکھاریوں کے ساتھ ساتھ صوفیا اور اولیا اکرام کی مجلسیں بھی نصیب ہوئیں۔ حکمرانوں سے لڑائیاں بھی ہوتی رہیں اور اس کی سزا بھی ملتی رہی لیکن میں نے ہمیشہ مشاہدہ اور تجربہ کیا کہ بچانے والا مارنے والے سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے ورنہ جنرل ضیاء الحق، جنرل مشرف اور بے نظیر بھٹو میری تنقیدی تحریروں سے سیخ پا بھی رہے لیکن خواہش کے باوجود نوکری سے نہ نکال سکے کیوں کہ بچانے والا میرے ساتھ تھا۔

یہ ایک قدرتی بات ہے اس کو آپ ارتقائی عمل کہہ لیں جیسے جیسے آپ تحقیقی کتابیں پڑھتے ہیں اس سے آپ کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور آپ کے فہم وادراک کی بھی تشکیل ہوتی ہے۔ بعض چیزوں کے بارے میں آپ کی رائے بہتر سے بہتر اور بعض چیزوں کے بارے میں آپ کے رائے بدل جاتی ہے مثلاً یہ ایک بڑی عجیب وغریب بات ہے اور میں اس کو کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اس بارے میں میری Controversies بھی چلتی رہتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ میں طویل عرصے تک قائداعظم کو مغربی طرز کی ماڈرن شخصیت سمجھتا رہا سیکولر قسم کی شخصیت لیکن بہت سی چیزیں پڑھنے اور مواد کے دریا میں اترنے کے بعد پتہ چلا کہ قائداعظم کے اندر ایک سچا مسلمان موجود تھا جس کی طرف ہماری نظر بہت کم گئی ہے مجلس ترقی ادب نے قائداعظم کی تقاریر پر چار جلدیں شائع کی ہیں اگر آپ پڑھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ قائداعظم کی شخصیت کیا ہے جب میں نے ان کی ذاتی زندگی کو اندر سے جھانکا تو میری رائے ان کے بارے میں پہلے سے مزید بہتر ہوگئی ہے۔

ایسی کتابیں جن میں وطن عزیز پاکستان کے بارے میں مایوسی اور ناامیدی پھیلائی گئی ہو وہ میری ناپسند کی فہرست میں آتی ہیں۔ مثلاً طارق علی کی بعض کتابیں ایسی متعصب کتابیں جو 1971ء کی Tragedy کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔ باقی مطالعہ کے لیے سیرۃ النبی شبلی نعمانی اور سید سلمان ندوی کی کتابیں مجھے بے حد پسند ہیں اور تفاسیر میں تفہیم القرآن مجھے بہت پسند ہے۔ فلسفے اور سیاسیات اور پاکستانیات پر کتابیں شوق سے پڑھتا ہوں۔ دل میں ایک آواز تڑپتی رہتی ہے کہ مرنے سے قبل کوئی بڑی قومی خدمت کر جاؤں اور کسی ایسے صدقہ جاریہ کی بنیاد رکھ جاؤں جو بخشش اور روحانی بلندی کا ذریعہ بنے۔ اب تک اسی آرزو کی تکمیل کے لیے زندہ ہوں۔ دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے کیوں کہ اس کی رضا کے بغیر ایسے کام نہیں ہو سکتے۔

الشریعہ اکادمی کی لائبریری کے لیے موصول ہونے والے ہدیہ ہائے کتب

– الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری (صحیح بخاری پر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ کے تشریحی افادات) ۲۴ جلدیں (ہدیہ از جناب مولانا عبدالحفیظ مکی مدظلہ، سعودی عرب)

– مشاہیر (مکتوبات) بنام مولانا سمیع الحق (۸ جلدیں) ہدیہ از جناب مولانا سمیع الحق زید مجدہم

– طبقات القراء للذہبیؒ (۲ جلدیں) ہدیہ از جناب ڈاکٹر احمد خان صاحب، اسلام آباد

ادارہ ان گراں قدر کتب کا ہدیہ پیش کرنے پر مذکورہ تمام حضرات کا شکر گزار اور ان کے لیے دعا گو ہے۔